پروفیسر حافظ احمد یار

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۱۰۲ - ۱۰۳

> ملاحظہ : کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ 'الاعراب' الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱ 'الاعراب کیلئے ۲ 'الرسم کیلئے ۳ 'اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

© rasailojaraid.co

۲ : ۶۲

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا
كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ
وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ
فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ
الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

© rasailojaraid.co

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ
اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

۲ : ۶۲ : ۱ اللغة

[وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ]

(۱) "وَاتَّبَعُوْا" (اور اُنہوں نے پیروی کی / وہ پیچھے لگ گئے)۔ اس میں ابتدائی "و" تو عاطفہ بمعنی "اور" ہے اور "اِتَّبَعُوْا" کا مادہ "ت ب ع" اور وزن "اِفْتَعَلُوْا" ہے۔ اِس مادہ سے فعل مجرد (تَبِعَ یَتْبَعُ = پیچھے چلنا، پیرو ہونا) کے باب، معنی اور استعمال وغیرہ پر البقرہ: ۳۸ [۲:۲۷:۱(۹)] میں بات ہوئی تھی۔

● زیرِ مطالعہ لفظ (اِتَّبَعُوْا) اِسی مادہ سے بابِ افتعال کا صیغہ ماضی معروف (جمع مذکر غائب) ہے۔ باب افتعال کے اس فعل "اِتَّبَعَ ... یَتَّبِعُ اِتِّبَاعًا" کے معنی ہیں "...... کی پیروی کرنا؛..... کا پیرو ہونا؛...... کے پیچھے لگ لینا؛... کے پیچھے ہو لینا؛. کے پیچھے لگ جانا" وغیرہ۔ یہ فعل متعدی ہے اور (اپنے فعل مجرد کی طرح) اس کا مفعول بھی ساتھ ہی بنفسہٖ آتا ہے اور عموماً مذکور ہوتا ہے (یعنی محذوف نہیں ہوتا)۔ قرآنِ کریم میں اس باب (افتعال) سے اس فعل کے مختلف صیغے ۱۳۶ جگہ آئے ہیں اور صرف ایک جگہ (البقرہ: ۱۶۶) میں مفعول غیر مذکور (محذوف) ہے۔ اس کے علاوہ اس سے اسم مفعول کا ایک ہی صیغہ (جمع مذکر سالم) دو جگہ آیا ہے۔

(۲) "مَا" (اس چیز کی جو کہ، اس کی جو) ۔"مَا" موصولہ کے لئے دیکھئے [۲:۲:۱(۵)]

(۳) "تَتْلُوْ" (پڑھتی ہے / پڑھتے ہیں)۔ مجرد فعل کے اس صیغے (جس کے "رسم" کی بحث آگے آئے گی) کا مادہ "ت ل و" ہے اور وزن "تَفْعُلُ" ہے۔ اس کے فعل مجرد (تَلَا یَتْلُوْ یعنی تَلَوَ یَتْلُوُ = پیچھے آنا۔ تلاوت کرنا) کے معنی اور استعمال وغیرہ پر البقرہ: ۴۴ [۲:۲۹:۱(۹)] میں کلمہ "تَتْلُوْنَ" کے ضمن میں بات ہوئی تھی — یہ صیغہ (تَتْلُوْ) دراصل تو واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے کیونکہ آگے اس کا فاعل (شیاطین) جمع مکسر آ رہا ہے اس لئے اُردو میں اِس کا ترجمہ بصورت مذکر "پڑھتے ہیں" کیا جائے گا---- نیز یہ

© rasailojaraid.com

صیغہ تو مضارع کا ہے جو حال اور مستقبل کے لئے آتا ہے مگر زیر مطالعہ عبارت میں یہ یہودیوں کی (ماضی اور حال کی) حالت بیان کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس سے پہلے "اتَّبَعُوا" کا صیغہ ماضی بھی آیا ہے 'لہٰذا یہاں یہ "تَتْلُوْ" ایک طرح سے "کَانَتْ تَتْلُوْ" کے مفہوم میں ہے اِس لئے اِس کا ترجمہ بصیغہ ماضی استمراری "پڑھا کرتے تھے ' پڑھتے تھے" کرنا موزوں ہے۔ بعض نے "پڑھنے پڑھانے" کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اِس کا ترجمہ "چرچا کرتے تھے" کیا ہے۔

④ "الشَّیٰطِیْنُ" یہ لفظ اِسی طرح (بصیغہ جمع مگر مضاف) البقرہ: ۱۴[۲:۱۱:۱(۴)] میں ("شَیٰطِیْنِهِمْ" کی شکل میں) گزر چکا ہے اور اِس کے مادہ وغیرہ کے بارے میں بحث "استعاذہ" میں اور پھر دوبارہ البقرہ: ۳۶[۲:۲۲:۱(۱)] میں بسلسلہ کلمہ "الشیطٰن" گزر چکی ہے۔ اِس کے معنی (خصوصاً بصیغہ جمع ہو تو) "تمام سرکش اور شیطان صفت جن اور انسان" ہوتے ہیں۔ اِسی لئے اُردو میں اس کا ترجمہ "شیطانوں" ہی کر لیا جاتا ہے۔ اس کے اسم پر بات آگے ہوگی۔

⑤ "عَلٰی" اس حرف الجر کے معانی (پر 'اُوپر وغیرہ) اور استعمال پر الفاتحہ: ۷[۱:۶:۱(۳)] میں بات ہوئی تھی ---- یہ (علٰی) کبھی کبھی بعض دوسرے حروف الجر (مثلاً بِ عَنْ 'فِی 'لِ 'مَعَ اور مِنْ) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔{ا} زیر مطالعہ عبارت میں یہ "فِی" کے معنی میں آیا ہے یعنی "فِی مُلْكِ سُلَیْمَانَ" یا "فِی زَمَنِ مُلْكِ سُلَیْمَانَ" اس کا یہی استعمال (فِی والا) القصص: ۱۵ میں بھی آیا ہے۔

⑥ "مُلْكِ سُلَیْمٰنَ" اِس کا ترجمہ تو ہے "سلیمان کی حکومت یا بادشاہت یا سلطنت" اور مراد ہے "ان کا عہدِ حکومت" یا "ان کی حکمرانی کا زمانہ"۔ کلمہ "مُلْكٌ" کے مادہ اور اس سے فعل مجرد کے معنی وغیرہ الفاتحہ: ۴[۱:۳:۱(۱)] کلمہ "مَالِكِ" کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں اور "مَلَكَ یَمْلِكُ" کے ایک معنی "حاکم ہونا' حکمران ہونا" بھی ہیں اور اِسی سے "مَلِكٌ" بمعنی "بادشاہ" استعمال ہوتا ہے ---- لفظ "مُلْكٌ" (بمعنی بادشاہی' حکومت' حکمرانی) قرآنِ کریم میں مفرد مرکب معرفہ نکرہ صورتوں میں پچاس کے قریب مقامات پر آیا ہے۔

● زیر مطالعہ مرکب (اضافی) کا دوسرا لفظ "سُلَیْمَانَ" (جس کے قرآنی رسم پر آگے بات ہوگی) بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک مشہور نبی کا نام ہے اِسی لئے یہ لفظ غیر

{ا} دیکھئے "تناوب حروف الجر" للدکتور محمد حسن عواد (الاردن) ص ۹۷ تا ۱۰۲

© rasailojaraid.com

منصرف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک عظیم سلطنت کے حکمران بھی تھے بلکہ ان کا عہد (۹۷۰ تا ۹۴۵ قبل مسیح) بنی اسرائیل کی تاریخ کا "سنہری زمانہ" شمار ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق وہ نبی بھی تھے۔ جبکہ یہودی ان کو صرف ایک عظیم الشان یہودی حکمران سمجھتے ہیں اور وہ اِن کے عہد کے بارے میں جادو وغیرہ کی خرافات میں مبتلا ہو گئے تھے (اور یہ خرافات مسلمانوں میں بھی راہ پا گئی ہیں) جس کی طرف آیت زیر مطالعہ میں اشارہ ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۲) [وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا]

① "وَمَا" (اور نہیں) "وَ" عاطفہ اور "مَا" نافیہ ہے۔ دیکھئے [۲:۲:۱(۵)]

② "كَفَرَ" (کفر کیا) فعل "كَفَرَ يَكْفُرُ" کے لئے دیکھئے [۲:۵:۱(۱)] میں کلمہ "كَفَرُوْا"۔

③ "سُلَيْمٰنُ" یعنی سلیمان علیہ السلام نے (کفر نہیں کیا تھا)

④ "وَلٰكِنَّ" (لیکن، بلکہ، مگر) "لٰكِنَّ" حرف مشبہ بالفعل کیلئے دیکھئے [۲:۹:۱(۸)]

⑤ "الشَّيٰطِيْنَ" (شیطانوں نے) اِس پر بحث ابھی اوپر گزری ہے۔

⑥ "كَفَرُوْا" (اُنہوں نے کفر کیا) سیاقِ عبارت (بیان قصہ) کی مناسبت سے یہاں اس کا ترجمہ "کفر کرتے تھے" کرنا موزوں ہے۔

● یوں پوری عبارت کا ترجمہ بنا "سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ کفر تو شیطانوں نے کیا" ---- قرآن کو یہ تردید اِس لئے کرنی پڑی کہ جاہل یہودیوں نے ایسی باتیں (جن کا آگے ذکر آرہا ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی تھیں۔

۲ : ۶۲ : ۱(۳) [يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ]

① "يُعَلِّمُوْنَ" (وہ سکھاتے ہیں۔) اس صیغہ فعل کا مادہ "ع ل م" اور وزن "يُفَعِّلُوْنَ" ہے۔ باب تفعیل کے اِس فعل "عَلَّمَ يُعَلِّمُ" (سکھانا) کے معنی وغیرہ البقرہ:۳۱ [۲:۲۲:۱(۱)] میں کلمہ "عَلَّمَ" میں بیان ہو چکے ہیں۔ بیانِ قصہ کی بناء پر یہاں اس کا ترجمہ "سکھاتے تھے" کیا جا سکتا ہے۔

② "النَّاسَ" (لوگوں کو) اِس لفظ (الناس) کے مادہ اور اشتقاق وغیرہ پر مفصل بحث البقرہ:۸ [۲:۷:۱(۳)] میں دیکھئے۔

③ "السِّحْرَ" (جادو) یہ لفظ یہاں پہلی دفعہ آیا ہے۔ اِس کا مادہ "س ح ر" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فِعْلٌ" ہے۔ اِس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر "سحَرَ......

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

یسحَر سِحرًا" (فتح سے) آتا ہے اور اِس کے مشہور معنی "...... پر جادو کردینا" ہیں۔ یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہٖ (ساتھ) آتا ہے اور اِس کا اصل مفہوم "کسی چیز کو اس کی اصل حقیقت کی بجائے کسی دوسرے روپ میں دکھانا" ہے یعنی "کسی کی نظر بندی کردکھانا" مثلاً کہتے ہیں "سحَر الشیئَ عَن وَجھِہٖ" (اس نے اسے وہ چیز اصل کی بجائے کچھ اور کردکھائی یا چیز کی اصل حقیقت کو اس سے پھیر دیا' ہٹا دیا) پھر اِسی سے فعل میں دھوکا دینا کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ "سحَر فلانًا بِالشیئِ" کے معنی ہیں "خَدَعَہٗ" یعنی "اس نے فلاں کو اس چیز کے ذریعے دھوکا دیا" ---- اور اس کے ایک معنٰی "کسی کے دل و دماغ پر مسلط ہونا یعنی اس کے دل و دماغ پر ایسا قابو پانا کہ گویا وہ اس میں رہے ہی نہیں" بھی ہیں یعنی "سلَب لُبَّہٗ" (اس نے اس کی عقل چھین لی) گویا "اس پر جادو کا سا اثر کردیا" ---- اسی سے کہتے ہیں: "سحَرہ بکلامِہٖ" (اس نے اس پر اپنی باتوں سے جادو کا سا اثر کیا) یا "سحَرَتْہُ بِعیَنِھا" (اس عورت نے اپنی آنکھ سے اس کو جادو کر مارا) ۔ عربی میں چاندی پر سونے کا ملمع کرنے کے لئے یہ فعل بھی استعمال ہوتا ہے یعنی "سحَر الفِضّۃَ" کے معنی ہیں "چاندی پر سونے کا رنگ چڑھا دیا"۔ الغرض اِن تمام افعال میں مشترک معنی "کسی کے دل و دماغ پر شدید اثر ڈالنا" ہیں چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا۔ اسی فعل کے ایک معنی "کسی کے پھیپھڑوں (یعنی سینے یا چھاتی) میں کوئی چیز مار دینا" بھی ہوتے ہیں۔ عربی میں پھیپھڑے کو "رِئَۃ" بھی کہتے ہیں اور "سُحْرَۃ" بھی ---- اور صاحب المفردات نے ان معنی کی "جادو کرنا" سے مناسبت بتائی ہے (یعنی کسی کے دل (خیالات یا صحت) پر بُری طرح اثر انداز ہونا) اور اسی فعل کے ایک معنی "کسی چیز کو بگاڑ کے رکھ دینا" بھی ہیں۔ "جادو کرنا" میں یہ مفہوم بھی موجود ہے۔ باب سمع (سحِر یسحَر) سے اِس کے معنی "صبح سویرے کام میں لگنا" بھی ہوتے ہیں۔ اِس کا مصدر "سَحَرٌ" (صبح ہونا) ہے (بفتح السین والحاء)

● قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد سے تین صیغے تین ہی جگہ آئے ہیں اور ہر جگہ یہ "جادو کردینا" یا "مت مار دینا ـــــ اور ہٹا دینا" (یعنی اُفِکَ" اور "صَرفَ") کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ خصوصاً المومنون: ۸۹ میں تو یہ مؤخر الذکر معنی میں ہی استعمال ہوا ہے جس کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔ فعل مجرد کے تین صیغوں کے علاوہ اس مادہ سے مجرد اور مزید فیہ کے بعض مشتقات اور ماخوذ کلمات (سِحْرٌ۔ سَاحِرٌ۔ مُسَحَّرِین۔ سَحَّار۔ سَحَرَۃ۔ سَحَرٌ۔ اَسْحَار۔ مَسْحُور وغیرہ) ساٹھ کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ان سب پر حسب موقع بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

● زیرِ مطالعہ لفظ (السِحر) اِس فعل کا ایک مصدر ہے اور فعل کے مذکورہ بالا معانی کی روشنی میں اس لفظ کے معنی "جادو' جاذبِ دل و دماغ چیز (سچ ہو یا جھوٹ)' دھوکا یا دھوکے کی بات' جادو بیانی اور جھوٹ" کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ معرفہ نکرہ مفرد مرکب صورتوں میں ۲۸ جگہ آیا ہے اور حسب موقع مندرجہ بالا معانی میں سے کوئی ایک مراد لیا جا سکتا ہے۔

● زیرِ مطالعہ مقام پر یہ "جادو" ہی کے معنی میں آیا ہے' کیونکہ اگلی (آنے والی) عبارت میں اس کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے وہ ان ہی معنی کی تائید کرتی ہے --- صاحب المفردات نے جادو (سِحر) کی تین اقسام یا اس کے (عام استعمال ہونے والے) تین مفہوم بیان کئے ہیں۔

① محض ہاتھ کی صفائی یا نظر کا دھوکا (نظربندی)۔ اس لحاظ سے یہ "شعبدہ بازی" کے معنی رکھتا ہے۔ "شعبدہ" اور "معجزہ" میں یہی فرق ہے کہ "شعبدہ" میں چیز کی اصلی حقیقت تو وہی رہتی ہے صرف دیکھنے والے کو ایک دوسرا روپ نظر آتا ہے جب کہ "معجزہ" میں چیز کی اصل حقیقت ہی بدل جاتی ہے۔ فرعون کے جادوگر اپنی شعبدہ بازی اور نظربندی کے مقابلے پر موسیٰ علیہ السلام کے "معجزہ" میں یہی فرق سمجھ کر ہی "ہم ایمان لائے" پکار اُٹھے تھے۔

② "سِحر" کی دوسری قسم یہ ہے کہ بعض خاص قسم کے شیطانی عملیات اور منتروں سے کسی کی صحت' کاروبار یا اس کے خیالات (مثلاً بغض و محبت) پر اثر انداز ہوا جائے جسے عرفِ عام میں "کالا علم" بھی کہتے ہیں۔ اس میں شیطان اور بعض شیطانی قوتوں سے مدد لی جاتی ہے۔ رہے عملیات اور منتروں کی تاثیر تو یہ بہرحال ایک حقیقت ہے جس کا مشاہدہ اتنے لوگوں نے کیا ہے کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہے۔ تاہم (جیسا کہ اسی آیت میں آگے آ رہا ہے) یہ کام دین و ایمان کو برباد کرنے والا ہے۔ مادی دنیا میں اس کی مثال "رشوت" کی دی جا سکتی ہے جس سے کئی مشکل کام کئے اور کرائے جا سکتے ہیں مگر انجام دونوں رشوت دینے اور لینے والے --- کا جہنم کی آگ ہے۔

● آیت زیرِ مطالعہ میں یہودیوں کے اسی "علم" کے گرویدہ ہونے کا ذکر ہے۔ قرآنِ کریم نے اس "علم" کو نہ تو صاف الفاظ میں مطلقاً خرافات اور بے حقیقت قرار دیا ہے اور نہ ہی اسے "مؤثر بذاتہٖ" (خود کار تاثیر رکھنے والا) کہا ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں'

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

یہودیوں اور بعض دوسری اقوام کا خیال ہے۔ بلکہ اصل نفع و نقصان کا مالک "اللہ تعالیٰ" ہی کو قرار دیا ہے۔ مزید برآں اس "علم" کے "برباد کنندۂ آخرت" ہونے کو وضاحت اور تاکید سے بیان کیا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

③ سِحر یا جادو کی تیسری قسم وہ ہے جس کا تصور بعض عجمی (غیر عرب) لوگوں میں پایا جاتا ہے (اور عوامی کہانیوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے) کہ بعض لوگ "جادو" کے زور سے کسی انسان کو کسی اور صورت (مثلاً مکھی یا گدھے) میں بدل دیتے ہیں۔ صاحب المفردات لکھتے ہیں کہ اہل علم و دانش کے نزدیک جادو کا یہ تصور بالکل از قسمِ خرافات ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

● بہرحال زیرِ مطالعہ عبارت (يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ) کا ترجمہ تو بنتا ہے "وہ سکھاتے ہیں لوگوں کو جادو" جسے بعض نے "سحر کی تعلیم دیتے تھے" کی صورت دی ہے۔ لفظ "سِحْر" اردو میں بھی مستعمل ہے اور اس سے مراد عملیات، منتروں اور ٹونے ٹوٹکے یا "کالا علم" ہی لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہاں بظاہر مندرجہ بالا پہلی قسم (شعبدہ بازی) یا تیسری قسم (طلسمات) کی تعلیم دینا مراد نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

۲ : ۶۲ : ۱ (۴) [وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ]

اِس عبارت میں مشکل الفاظ تو صرف تین عجمی اسماء ہیں۔

① "وَمَا" (اور وہ جو کہ) اس کا ترجمہ یہاں دو طرح سے ہو سکتا ہے جس کی وجہ ترکیب نحوی کا فرق ہے۔ اس پر مزید بات "الاعراب" میں ہو گی۔

② "أُنْزِلَ" (اُتارا گیا) باب افعال کے اس فعل (جس کا یہ ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے) کے معنی وغیرہ کے لئے البقرہ: ۴ [۲ : ۳ : ۱ (۲)] میں یہی لفظ (أُنْزِلَ) دیکھئے۔

③ "عَلَى الْمَلَكَيْنِ" (دو فرشتوں پر) ---- "عَلٰى" تو معروف حرف الجر ہے جس کے استعمالات پر الفاتحہ: ۷ [۱ : ۶ : ۱ (۳)] میں بات ہوئی تھی ---- اور "الْمَلَكَيْنِ" لفظ "الْمَلَكُ" کا تثنیہ مجرور ہے۔ اس لفظ (مَلَكٌ بمعنی فرشتہ) کے مادہ و اشتقاق وغیرہ کی مفصل بحث البقرہ: ۳۰ [۲ : ۲۱ : ۱ (۲)] میں کلمہ "الْمَلٰئِكَة" کے ضمن میں ہوئی تھی۔

④ "بِبَابِلَ" کی ابتدائی "بِ" (باء) تو حرف الجر ہے جو یہاں "فِي" (میں) کے معنیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آیا ہے اور "بَابِل" جنوبی عراق کے ایک قدیم شہر کا نام ہے جس کے کھنڈرات دریائے فرات کے مشرقی کنارے کے قریب پائے جاتے ہیں۔ عجمی ہونے کے باعث یہ ایک غیر منصرف اسم ہے۔ اسے انگریزی میں "Babylon" کہتے ہیں۔ اور یہودیوں کی تاریخ سے اس کا خاص تعلق ہے جسے یہودیوں کی "اسیریٔ بابل" کا زمانہ ــــــــــ (Babylonian Captivty) کہتے ہیں۔

⑤ "هَارُوتَ وَمَارُوتَ" یہ بھی دو نام ہیں جو عجمی ہونے کے باعث غیر منصرف بھی ہیں ---- بظاہر یہاں یہ "بابل والے دو فرشتوں" کے نام کے طور پر آئے ہیں جسے بعض مفسرین نے "رمزیہ" (Symbolic) قرار دیتے ہوئے فرشتہ سیرت (نیک) انسانوں کے نام سمجھا ہے۔ بہرحال اِس حصۂ آیت کا ترجمہ بنا "اور وہ جو اُتارا گیا بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت (نامی) پر" بعض نے "اُتارا / نازل کیا گیا" کی بجائے "(جو) اُترا" سے ترجمہ کیا ہے جو محاورے اور مفہوم کے لحاظ سے ہی درست کہا جا سکتا ہے ورنہ بظاہر تو یہ "اُنْزِلَ" کی بجائے "نَزَلَ" کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے --- اِس ترجمے کے بعض دوسرے پہلوؤں پر حصہ "الاعراب" میں بات ہوگی۔

۲ : ۶۲ : ۱(۵) [وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا...]

عبارت میں کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ کلمات کا ترجمہ مع گزشتہ حوالہ درج ذیل ہے۔

① "وَمَا" (اور نہیں) یہاں "مَا" نافیہ ہے دیکھئے البقرہ: ۳ [۲ : ۲ : ۱(۵)]

② "يُعَلِّمٰنِ" (وہ دونوں سکھاتے ہیں) اس کا ترجمہ اوپر والے "اور نہیں" سے ملا کر ہوگا یعنی "وہ دونوں نہیں سکھاتے"۔ یہ صیغہ فعل (جس کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی) فعل "عَلَّمَ يُعَلِّمُ" - (سکھانا' تعلیم دینا) سے مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے۔ مزید دیکھئے البقرہ: ۳۱ [۲ : ۲۲ : ۱(۱)] میں۔

③ "مِنْ اَحَدٍ" (کسی ایک کو بھی) کلمہ "مِنْ" کے استعمالات کے لئے دیکھئے البقرہ: ۳ [۲ : ۲ : ۱(۵)] اور "اَحَد" (ایک) کے مادہ و اشتقاق کے علاوہ اس کے مثبت منفی طریق استعمال پر البقرہ: ۹۶ [۲ : ۵۹ : ۱(۵)] میں مفصل بات ہوئی تھی۔ یہاں لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "کسی ایک بھی میں سے کو"۔ یہاں "کو" کیوں لگا ہے اس پر حصہ "الاعراب" میں بات ہوگی۔

④ "حَتّٰى" (یہاں تک کہ۔ جب تک کہ نہ.....) اس حرف کے ناصب اور جار ہونے

کے لحاظ سے استعمال پر البقرہ : ۵۵ [۲ : ۳۵ : ۱(۲)] میں مفصل بات ہوئی۔ اُردو میں اگر اس کا ترجمہ "یہاں تک کہ..." سے کیا جائے تو بعد والے جملے (یا فعل) کا ترجمہ "مثبت" فعل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر "جب تک کہ...." سے ترجمہ کریں تو اُردو میں ترجمہ "منفی" فعل کے ساتھ ہوگا، چاہے عربی میں اِس کے بعد "مثبت" فعل بھی ہو۔ جیسا کہ اگلے فعل سے ظاہر ہوگا۔

⑤ "یَقُوْلَا" (....وہ دونوں کہتے ہیں یا (جب تک) وہ دونوں کہہ نہیں لیتے) فعل "قَالَ یَقُوْلُ = کہنا" (جس سے "یَقُوْلَا" فعل مضارع منصوب صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے) کی لغوی بحث البقرہ : ۸ [۲ : ۷ : ۱(۵)] میں گزر چکی ہے۔

● یوں اس حصہ آیت کا ترجمہ بنتا ہے "اور وہ دونوں نہیں سکھاتے کسی ایک کو بھی جب تک کہ وہ دونوں کہہ نہیں لیتے" ---- بیانِ قصہ کی بناء پر یہاں بھی مضارع کا ترجمہ (کَانَا یُعَلِّمَانِ کی طرح) فعل ماضی سے کرنا درست ہے، یعنی "نہیں سکھاتے تھے / سکھلاتے تھے" بعض نے محاورہ کی بنا پر "سکھانے" کی بجائے "بتاتے" یا "بتلاتے" سے ترجمہ کیا ہے کیونکہ اس میں "خفیہ" رازداری کی بات کا مفہوم ہے۔ اسی طرح بیشتر حضرات نے "مِنْ اَحَدٍ" کا ترجمہ صرف "کسی کو" ہی کر دیا ہے۔ اس میں "مِنْ" والا زور نہیں ہے۔ صرف ایک دو نے "کسی کو بھی" سے ترجمہ کیا ہے جو زیادہ موزوں ہے۔ اکثر نے یہاں "حَتّٰی" کا ترجمہ "جب تک کہ نہ...." سے کرتے ہوئے "یَقُوْلَا" کا ترجمہ "کہہ دیتے تھے' کہہ لیتے" سے کیا ہے اور چونکہ یہاں "حَتّٰی" کے بعد ایک "اَنْ" (کہ۔ یہ کہ) مقدر ہے اس لئے ترجمہ "یہ نہ کہہ دیتے' یہ نہ کہہ لیتے" سے کیا گیا ہے۔ یہ عبارت نامکمل جملہ ہے کیونکہ "یَقُوْلَا" کا مفعول (مقول) ابھی بیان نہیں ہوا جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

۲ : ۶۲ : ۱(۶) [.....اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ]

اِس جملہ میں نیا لفظ "فِتْنَة" ہے جس کی لغوی وضاحت کی ضرورت ہوگی۔ باقی کلمات کا صرف اُردو ترجمہ اور گزشتہ حوالہ لکھنا کافی ہوگا۔

① "....اِنَّمَا نَحْنُ" (سوائے اس کے نہیں کہ ہم۔ ہم تو صرف۔ ہم تو بس) "نَحْنُ" تو جمع متکلم کی ضمیر مرفوع بمعنی "ہم" ہے۔ "اِنَّمَا" (جو حرف مشبہ بالفعل "اِنَّ" اور "مَا" کافّہ کا مرکب ہے) اس کے معنی اور استعمال پر سب سے پہلے البقرہ : ۱۱

© rasailojaraid.com

[۲ : ۹ :۱(۵)] میں مفصل بات ہوئی تھی۔

۴ "فِتْنَة" اس لفظ کا مادہ "ف ت ن" اور وزن "فِعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "فتَن ..... یفتِن فَتْنًا وَ فِتْنَةً وَ فُتُونًا وَ مَفْتُونًا" (ضرب سے) آتا ہے۔ آخری تین مصدر قرآنِ کریم میں آئے ہیں پہلا نہیں آیا۔ (۱) اس کے بنیادی معنی ہیں "........ کو پرکھنا' کا امتحان لینا' کو آزمانا"۔ اور اس کی اصل "سونے (چاندی وغیرہ) کو آگ پر پگھلا کر اس کے عمدہ یا خراب ہونے کا پتہ چلانا" ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "فتَن الصائغُ الذّھبَ" (سنار نے سونے کو پرکھنے کے لئے پگھلایا) اور اسی سے اس کے ایک معنی "آگ پر رکھنا یا آگ میں جلانا" بھی ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے "هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ" (الذاریات : ۱۳) یعنی وہ آگ میں جلائے جائیں گے۔ (۲) اور اسی سے اس میں "کسی کو مصیبت یا تکلیف میں ڈالنا" کے معنی بھی پیدا ہوتے ہیں جیسے "فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (البروج : ۱۰) میں ہے یعنی "انہوں نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو اذیت میں ڈالا" (۳) اور اسی لئے اس فعل کے ایک معنی "...... کو لبھالینا" بھی ہوتے ہیں" مثلاً کہتے ہیں "فتَنَتْهُ المَرأةُ" عورت نے اس کو لبھالیا یعنی آزمائش یا مصیبت میں ڈال دیا۔ قرآنِ کریم میں ان معنی میں فعل کا صیغہ تو کوئی نہیں آیا مگر لفظ "فتنة" (دل کو بہت پسند آنے والی شے کے معنی میں) متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔ بعض کتب لغت (مثلاً القاموس' البستان' المنجد' اللسان) میں لکھا ہے کہ "فتَن" لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی "فَتَنَ الرَّجُل فلانًا ففتَن" کے معنی ہیں "آدمی نے فلاں کو آزمائش یا مصیبت میں ڈالا اور وہ (اس میں) پڑ گیا" یا مثلاً "فتَن الرّجلُ بالمرأةِ" (آدمی عورت کی وجہ سے فتنہ میں پڑا)۔ اگرچہ اللسان میں اسے کمزور استعمال کہا گیا ہے۔ دوسرے معنی (فتنہ میں پڑنا) کے لئے اس کا صیغہ مجہول ہی استعمال ہوا ہے۔ اس فعل کا مفعول ہمیشہ بنفسہٖ آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں جہاں بھی یہ فعل آیا ہے اس کا مفعول ساتھ مذکور رہا ہے اور جس چیز کے ذریعے کسی چیز کو آزمائش میں ڈالا جائے اور پرکھا جائے اس پر "بِ" کا صلہ بھی آتا ہے اور "فِی" کا بھی۔ جیسے قرآنِ کریم میں ہے "فُتِنْتُم بِهِ" (طٰہٰ :۹۰) یعنی "تم اس کے ذریعے آزمائش میں ڈالے گئے" اور "لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ" (طٰہٰ :۱۳۱' الجن :۱۷) یعنی "تاکہ ہم ان کو اس میں یا اس کے ذریعے آزمائیں)۔ بعض دفعہ یہ فعل "بہکانا" کے معنی میں آتا ہے (کہ یہ بھی آزمائش یا مصیبت کی ایک شکل ہے) اس صورت میں اس کے دوسرے مفعول (جس سے بہکا دیا

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

جائے) پر "عَن" کا صلہ آتا ہے۔ یہ استعمال بھی قرآنِ کریم میں دو جگہ آیا ہے "..... اَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا....." (المائدہ : ۴۹) اور "لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي....." (الاسراء : ۷۳) ـــــ ان کے علاوہ اس فعل کے بعض اور استعمالات بھی ہیں جو قرآنِ کریم میں نہیں آئے۔

● الغرض اس فعل کے بنیادی معنی (آزمائش میں ڈالنا) اس کے تمام استعمالات پر مشترک نظر آتے ہیں، اگرچہ اس کا ترجمہ بعض دفعہ "مصیبت میں ڈالنا، ایذاء پہنچانا، حملہ آور ہونا، سزا دینا، بھٹکا دینا" کی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد (فتَن یفتِن) سے ماضی اور مضارع کے معروف اور مجہول مختلف صیغے ۲۳ جگہ آئے ہیں۔ اس سے مزید فیہ کے افعال اگرچہ عام عربی میں آتے ہیں تاہم قرآنِ کریم میں ایسا کوئی فعل نہیں آیا۔ اور اس مادہ سے مشتق اور ماخوذ مختلف کلمات (مثلاً فِتنَة، مَفتُون، فَاتِنِين وغیرہ) تیس سے زائد مقامات پر آئے ہیں جن پر حسب موقع بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیرِ مطالعہ لفظ "فِتْنَةٌ" (جو اس فعل کا ایک مصدر بھی ہے) کے بنیادی معنی "آزمائش اور امتحان" ہی ہیں لیکن سیاق و سباقِ عبارت کے لحاظ سے اس کا ترجمہ "ابتلاء، ایذاء، تکالیف، گمراہی، دھوکہ، فساد، جھگڑا، اختلاف، فتنہ انگیزی، خانہ جنگی، حجت، معذرت، تختہ مشق (بننا)، جنون، دشمن اور زینت" سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مال اور اولاد کو قرآنِ کریم میں ایک جگہ "زِينَة" دوسری جگہ "فِتنَة" اور تیسری جگہ "عَدُوّ" بھی کہا گیا ہے۔ ان معانی کا آپس میں تعلق ظاہر ہے۔

(۳) "فَلَا تَكْفُرْ" (سو تو کفر نہ کر۔ ایمان نہ کھو)۔ فعل "كَفَرَ يَكْفُرُ" اب تک کئی دفعہ آچکا ہے۔ زیرِ مطالعہ صیغہ "لَا تَكْفُرْ" (ابتدائی "فَ" تو عاطفہ سببیہ ہے) اس فعل سے صیغہ نہی بروزن "لَا تَفْعُلْ" ہے۔ مزید دیکھئے البقرہ۶ [۲ : ۵ : ۱(۱)]

● یوں اس عبارت (اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "........ (کہ) سوائے اس کے نہیں کہ ہم آزمائش ہیں سو تو کفر نہ کر" ـــــ جیسا کہ "مفردات" میں بیان ہوا ہے۔ اکثر حضرات نے "اِنَّمَا" کا ترجمہ "تو، بس، صرف، نری" کے ساتھ کیا ہے یعنی (نَحْنُ سمیت) "ہم تو، ہم تو نری، ہم تو بس" کی صورت میں ترجمہ کیا گیا ہے جو اُردو محاورے کا تقاضا ہے۔ "فَلَا تَكْفُرْ" کا ترجمہ "سو تو کافر مت ہو، کہیں کافر نہ بن

© rasailojaraid

جائیو' تو اپنا ایمان نہ کھو' تم کفر میں نہ پڑو' تم کفر اختیار نہ کرلینا" سے بھی کیا گیا ہے' سب کا مفہوم یکساں ہے۔ البتہ بعض تراجم میں تاکید کا پہلو زیادہ ہے۔ "فِتْنَةٌ" کا ترجمہ یہاں "آزمائش" کے علاوہ "امتحان' آزمانے کو' آزمائش کے لئے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ بعض نے "ذریعۂ آزمائش و امتحان" سے ترجمہ کیا ہے۔ اصل عربی میں "ذریعہ" کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ : دورِ حاضر میں مذہب سے بیزاری

خاندان یا برادری کی سطح پر عمل کیا جاتا ہے' لیکن مذہب کا مجموعی طور پر معاشرے یا تہذیب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اس دور کو مذہب کی موت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ آج ایک کے سوا تمام مذاہب اپنی اپنی تاریخ کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں' اور یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں "مذہبی" لوگوں کا بھی ان کے مذاہب کے ساتھ رشتہ بے معنی ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذہب سے بیزاری کے اس دور میں بھی انسان کے اندر مقصد اور معنی کی طلب اور پیاس باقی ہے جسے سائنس کبھی نہیں بجھا سکتی۔ چند ماہ قبل امریکہ میں Heaven's Gates Cult سے تعلق رکھنے والے ۳۹ تعلیم یافتہ افراد کا بعض مذہبی عقائد کی بنیاد پر اجتماعی خودکشی کر لینا اسی روحانی پیاس کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ روایتی مذہب آج کے دور میں اس قابل نہیں رہا کہ انسان کی روحانی پیاس بجھا سکے' نتیجتاً اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اب غیر روایتی قسم کے عجیب و غریب Cults ابھرنے لگے ہیں۔

© rasailojaraid.com